اقبال کی شاعری پر انقلاب روس کے اثرات

گلشن طارق

Abstract:

Russian revolution of 1917 affected the poets and writers all over the world. Indian poets and the writers, too, could not keep themselves away from the influence of this revolution. And their creative works started reflecting this revolution. This revolution is based on the theory presented by Karl Marx, according to which the world is in the process of continuous change. Russian revolution gave strength to the weak in the world. Allama Muhammad Iqbal, too, is in favour of the underprivileged and marginalized class. Hence, he gave a warm welcome to this revolution. Allama Muhammad Iqbal was of the view that both Communism and Islamic Economic system were close to each other. So, he favoured this to his best. But, Iqbal disliked the faithlessness of the communists.

انقلاب نام ہے تبدیلی کا، ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں تبدیل ہونے کا۔ لفظ انقلاب عام طور پر مثبت معنوں میں ہی لیا جاتا ہے۔ روس میں 1917ء میں ہونے والے انقلاب کی بنیاد جدلی مادیت کے نظریے پر مبنی ہے۔ یہ نظریہ کارل مارکس نے پیش کیا۔ جدلی مادیت کے نظریہ کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ کائنات اور فکرِ انسانی بدلتی رہتی ہیں۔ عالم مادی میں معاشرے کے ساتھ ساتھ تصورات بھی بدل جاتے ہیں۔ جدلی مادیت کی رو سے مادی دنیا بدلتے ہوئے اعمال پر مشتمل ہے۔ جدلی مادیت کے بارے میں سجاد ظہیر ''مارکسی فلسفہ'' میں رقم طراز ہیں:۔

> ''جدلی مادیت فطرت اور سماج کو بالکل دوسری طرح سے سمجھنے کا فریضہ ہے۔ جدلیت سے مراد یہ ہے کہ فطرت کے حوادثات برابر متحرک ہوتے ہیں۔ وہ برابر بدلتے رہتے ہیں اور فطرت کی متضاد طاقتوں کے باہمی جدل سے فطرت کا ارتقا ہوتا

ہے۔‘‘(۱)

جب انسانی معاشرہ کے ارتقا پر جدلی مادیت کے قوانین کا اطلاق کیا جائے تو اسے تاریخی مادیت کہتے ہیں۔ تاریخی مادیت میں پیداواری قوتوں اور پیداواری علائق کا تضاد سماج میں تبدیلیوں کا باعث بنتا ہے اور سماج ایک صورت سے دوسری صورت میں بدل جاتا ہے۔ تاریخی مادیت کے بارے میں سجاد ظہیر فریڈرک اینگلس کے حوالے سے کہتے ہیں:

’’کسی تاریخی عہد کی معاشی پیداوار اور سماجی ہیت جو لازمی طور پر اسی سے بنتی ہے۔ اس عہد کی سیاسی اور ذہنی تاریخ کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اس لئے (زمین پر مشترک ملکیت کے قدیم عہد کے خاتمے کے بعد سے) تمام تاریخ طبقاتی جنگ کی تاریخ رہی ہے۔ استحصال کرنے والوں اور ان لوگوں میں جن کا استحصال ہوتا ہے، حاکموں اور محکوموں میں سماجی ارتقاء کے مختلف دوروں میں جنگ جاری رہی ہے۔‘‘ (۲)

جیسے ہی انسان کے شعور نے آنکھ کھولی، سماج طبقات میں بٹ گیا۔ پہلا سماج، غلام داری سماج تھا۔ جو صدیوں قائم رہا۔ اس طبقاتی معاشرے میں جبر و استحصال کی روایت قائم ہوئی۔ قدیم دور میں پیداوار پر ہر شخص کا حق ہوتا تھا۔ لیکن غلام داری سماج میں اس روایت کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ غلاموں کو کھانے پینے کے لئے وہی کچھ دیا جاتا تھا جس سے ان کے جسم و جاں کا رشتہ برقرار رہتا۔ شخصی املاک اور ریاست کے قیام کے ساتھ جنگ و جدل کی بنیاد پڑی۔ طاقت ور سردار کمزوروں کو تخت و تاراج کر دیتے تھے۔ غلاموں کی خرید و فروخت کے لئے منڈیاں لگتیں جن میں بولیوں کے ذریعے ان کی خرید و فروخت ہوتی۔ غلام بے دلی سے کاشت کرتے۔ سلاطین امراء اور پروہت ان کے مالک ہوتے۔ غلاموں سے صحیح طریقے سے کام لینے کے لئے مالکان زمین کو بٹائی پر دینے لگے۔ اس طرح پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ جاگیرداری نظام کا قیام عمل میں آیا۔ آقا اور غلام کی جگہ جاگیردار اور مزارع کا رشتہ سامنے آیا۔ پیداوار میں اضافے کے ساتھ تاجر طبقہ وجود میں آیا۔ تاجر اور جاگیردار سے سرمایہ داری برآمد ہوئی، سائنس کی ایجادات کے ساتھ ساتھ پیداواری قوتوں میں بے پناہ اضافہ ہوا اور صنعتی انقلاب کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ سائنسی انکشافات و ایجادات کا سلسلہ جاری تھا کہ انگلستان میں صنعتی انقلاب رونما ہوا۔ 1800ء سے 1850ء تک یہ انقلاب یورپ اور امریکہ سے ہوتا ہوا، جاپان تک پہنچ گیا اس انقلاب کی بدولت پیداواری قوتوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

اشتراکی نظام کے نظریہ کو پیش کرنے والی معروف شخصیت کارل مارکس کی تھی۔ کارل مارکس جرمن کے رہنے والے تھے اور ایک یہودی خاندان کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔ وہ کئی بار جلا وطن کئے گئے۔ سبط حسن ’’کارل مارکس‘‘ میں رقم طراز ہیں:

’’کارل مارکس 5 مئی 1818ء کو جرمنی کے شہر ٹرائر میں پیدا ہوا۔ جو دریائے رہائن کی

باجگزار موزیل ندی کے کنارے واقع ہے۔ اس کا خاندان یہودی تھا اور کئی پشتوں سے ٹرائر میں آباد تھا۔ مارکس کے باپ ہائن رخ مارکس نے جو ایک خوشحال وکیل تھا، کارل مارکس کی ولادت سے کئی برس پہلے آبائی مذہب ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔(۳)

''آباؤ اجداد کی نسبت وہ مذہب سے بے گانہ تھا۔'' (۴)

آباؤ اجداد کی نسبت وہ مذہب سے بے گانہ تھا۔ کارل مارکس کے بارے میں اقبال کہتے ہیں:

وہ کلیم بے تجلی! وہ مسیح بے صلیب!
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب! (۵)

فریڈرک اینگلس کارل مارکس کے ایک رفیق تھے۔ ان دونوں دوستوں کی مشترکہ کاوشوں سے اشترا کی نظام کا نظریہ وجود میں آیا۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس نے مل کر ایک مینی فیسٹو تیار کیا جس میں انھوں نے مزدور طبقہ کے مفاد کو خاص طور پر پیش نظر رکھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک پیداوار کے اصل مالک مزدور ہی ہیں۔ 1848ء میں پہلی بار کمیونسٹ مینی فیسٹو جاری ہوا۔ اس مینی فیسٹو کی تیاری کے سلسلے میں کارل مارکس اور اینگلس مینی فیسٹو کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

''کمیونسٹ لیگ نے جو کہ مزدوروں کی ایک بین الاقوامی جماعت تھی اور جو اس وقت کے حالات میں خفیہ جماعت ہی ہوسکتی تھی، نومبر 1847ء میں لندن میں اپنی کانگریس میں ہمیں اس بات پر معمور کیا کہ پارٹی کا ایک مفصل نظریاتی اور عملی پروگرام اشاعت کے لئے تیار کریں۔ اس طرح اس مینی فیسٹو کا جنم ہوا۔'' (۶)

مینی فیسٹو کے بارے میں شیر جنگ ''کارل مارکس اور اس کی تعلیمات'' میں رقم طراز ہیں:

''اس مینی فیسٹو میں جہاں ماضی کی ہر ارتقائی منزل میں محنت کش طبقہ کے پارٹ کی تشریح کی گئی ہے اور مستقبل میں اس کی تاریخی اہمیت کا اندازہ پیش کیا گیا ہے، وہاں دنیا کے مزدوروں کو متحد ہو جانے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کا اتحاد ہی ان کو ظالموں کے پنجوں سے نجات دلا سکتا ہے اور ان کی نجات ہی نبی نوع انسان کی نجات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔'' (۷)

مینی فیسٹو کے شائع ہونے کے بعد ادب کی دنیا پر کیا اثرات مرتب ہوئے اس ضمن میں ثاقب رزمی لکھتے ہیں:

''1848ء میں کمیونسٹ مینی فیسٹو کی اشاعت نے افکار کی دنیا میں بھی ایک تحرک پیدا کر دیا اور افق عالم پر ترقی پسند ادبی تحریک ابھری اور برق رفتاری کے ساتھ عالمی

ادب چھا گئی۔ یہ تحریک اپنے مافیہ میں ایک بالکل نئی اور انقلابی تحریک تھی جس نے ادب وفن کے پرانے تصورات کو تہہ و بالا کر دیا۔'' (۸)

اس وقت بڑے پیانے پر صنعت کاری اور پھر تجارت کی بدولت سرمایہ دار کے پاس سرمائے کے وافر ذخائر جمع ہوگئے۔ اور دوسری طرف مزدور و محنت کش طبقہ دن بدن زبوں حالی اور افلاس کا شکار ہوگیا۔ اور مشینوں کے باعث مزدوؤں کے لئے ملازمت کے مواقع کم ہوگئے اور بے روزگاری بہت بڑھ گئی۔ عزیز احمد ''اقبال نئی تشکیل'' میں لکھتے ہیں:

''مارکس ہی کے تجزیئے کی بنا پر کہ مزدور جو دولت اور منافع کا اصل پیدا کرنے والا ہے، اپنی محنت کے ثمر سے محروم رہتا ہے اور سرمایہ دار بمشکل اسے اس قدر اجرت دیتا ہے کہ وہ زندہ رہ سکے۔۔۔ سرمایہ داری سے مزدوروں کو غافل رکھنے کے لئے طرح طرح کی افیون دی ہے۔ نسل اور قومیت کے تصورات مذہب اور تہذیب کے افیونی خصائص، سب کا مقصد انسانیت کی غلط تقسیمیں کرنا ہے۔'' (۹)

روس میں 1917ء کے انقلاب سے قبل روس پر مطلق العنان زار کی بادشاہت تھی۔ زار روس کا قول تھا کہ میں سرزمین روس کا مالک ہوں۔ ان کا نشان دو سروں والا عقاب تھا۔ اکسویں صدی میں روس میں جو ادب تخلیق کیا گیا اس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ ادب دنیا میں کلاسیک کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ ٹالسٹائی دستو فسکی، ترگنیف، گوگول، چیخوف، لرمن توف، پوشکن اور کچھ عرصہ قبل میکم گورکی کی تصانیف نے ادب کی دنیا میں دھوم مچا دی۔ اس وقت روس میں کسانوں کی حالت نہایت ابتر ہو چکی تھی۔ کسانوں کے پاس زمین کم تھی۔ زراعت پس ماندہ تھی۔ شہروں کی نسبت دیہات میں غربت اور پس ماندگی بہت زیادہ تھی۔ روس اس وقت سرمایہ دارانہ ترقی کی درمیانی منزل میں تھا۔ صنعتی ترقی کے باوجود ملک میں زراعت غالب تھی۔ مزدوروں کا بری طرح استحصال ہو رہا تھا۔ انھیں روزانہ دس گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا۔ یہ طبقہ بنیادی حقوق سی قطعی محروم تھا۔ روسی عوام کی حالت نہایت ابتر ہوگئی۔ ایسی صورت حال نے ان میں ایسی تحریک پیدا کر دی جس کی مثال کسی بھی انقلاب میں نہیں ملتی۔ اس ضمن میں سجاد ظہیر ''روشنائی'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''ان خیالات کے پھیلتے ہی ملک کے عوام (مزدور اور کسان) اپنے آپ کو انقلابی لائنوں پر منظّم کرنے لگے تاکہ پونجی پتی طاقتور گروہوں کو سیاسی طور پر تباہ کر کے اقتصادی مساوات کی بنیاد پر پرولتاری آمریت کو رواج دیا جائے۔ سامراج چونکہ ایک بین الاقوامی تنظیم تھی اس لئے عوامی تحریکوں نے بھی بیک وقت تمام دنیا میں انقلابی جد و جہد شروع کر دی۔'' (۱۰)

1917ء میں روسی عوام نے زارشاہی کا تختہ الٹ دیا۔ اس انقلاب کے روح رواں لینن اور ان کے

ساتھی تھے۔ اس طرح سے لینن کی قیادت میں روس پر پرولتاریہ کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس نظام کو سوشلزم یا اشترا کی نظام کا نام دیا گیا۔ سوشلزم کے بارے میں مجاہد بریلوی لکھتے ہیں:

''سوشلزم کسانوں سے افلاس اور غربت کا خاتمہ کرتا ہے۔ اور صدیوں پرانے چھوٹے چھوٹے قطعاتِ زمین پر مالکانہ حقوق رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ وابستہ و ملزوم تکالیف سے بھی نجات دلاتا ہے یعنی نیم فاقہ زدگی اور کمر توڑ مشقت سے سوشلزم کا مطلب مفت زمین پر مفت محنت ہے۔'' (۱۱)

سوشلزم نظام میں تمام ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔ شخصی املاک کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ حکومت ہر شہری کی بنیادی ضروریات، روزگار، تعلیم، صحت اور رہائش مہیا کرنا وغیرہ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر پروین کلو لکھتی ہیں:

''7 نومبر 1917ء کو عنانِ حکومت مکمل طور ہر بالشویکوں کے ہاتھ آ گئی۔ لینن نے اقتدار میں آنے سے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہماری حکومت پر سرمایہ دار قابض ہیں۔ یہ عوامی نمائندوں کے حوالے ہونی چاہئے۔ جنگ فوراً ختم ہونی چاہئے! صنعت حرفت کا انتظام مزدوروں کی کمیٹیوں کے ہاتھ آنا چاہئے۔ حسب اعلان اس لائحہ عمل پر پیش رفت شروع ہوگئی۔'' (۱۲)

انقلاب روس کے اثرات پوری دنیا پر پڑے۔ شاعروں اور ادیبوں نے بھی ان اثرات کو محسوس کیا اور اپنی تخلیقات میں اس کا اظہار بھی کیا۔ علامہ محمد اقبال کو انقلابِ روس نے خاصا متاثر کیا۔ یہ انسانی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا۔ اقبال بنیادی طور پر انسان دوست شاعر تھے اور چاہتے تھے کہ بنی نوع انسان ان دکھوں سے نجات پائے۔ ان باتوں کا اظہار جا بجا ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ وہ ایک انقلابی شاعر تھے۔ ان کا نظریہ شاعری حرکی ہے۔ وہ جدلیت کو پسند کرتے تھے۔ اقبال کے نزدیک کائنات میں اشیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ موجود نہیں ہیں۔ یہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہو کر ان میں تغیر و تبدل کرتی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں اقبال فرماتے ہیں:

دما دم رواں ہے یم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رم زندگی (۱۳)
فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود (۱۴)

عالم اسلام میں اقبال کے سامنے ترکی کا انقلاب ہوا۔ وہ اس بات سے خوش تھے کہ ترکوں نے جہاد اور ایثار سے کام لے کر اپنے آپ کو مستحکم کرلیا ہے۔ اس ضمن میں اقبال کہتے ہیں:

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی (۱۵)
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا (۱۶)

اقبال نظامِ کہن کا خاتمہ چاہتے تھے۔ اقبال انقلاب ضرور چاہتے تھے مگر ارتقائی، ایسا انقلاب جو زندگی کے لئے نئی وسعتیں پیدا کرے۔ اقبال کہتے ہیں:

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ (۱۷)
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے (۱۸)
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک (۱۹)

علی سردار جعفری ''ترقی پسند ادب'' میں رقم طراز ہیں:

''انقلاب کا لفظ سیاسی اور سماجی تبدیلی کے لئے سب سے پہلے اقبال نے استعمال کیا۔ سیاسی انقلاب کا تصور بھی اردو شاعری کو اقبالؔ ہی نے عطا کیا۔ سرمایہ دار اور مزدور، زمیندار اور کسان، آقا اور غلام، حاکم اور محکوم کی باہمی کشاکش کے موضوعات پر سب سے پہلے اقبال نے نظمیں کہیں۔'' (۲۰)

اقبال سامراجی نظام کا خاتمہ چاہتے تھے۔ ''لینن، خدا کے حضور میں'' میں وہ کہتے ہیں:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات (۲۱)
اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو (۲۲)

اقبال کی نظم ''خضرراہ'' انقلابی نظم ہے۔اس ضمن میں ثاقب رزمی ''اقبال ایک نیا مطالعہ'' میں لکھتے ہیں:

''اقبال نے سوویت اشتراکی انقلاب سے متاثر ہوکر بہت کچھ لکھا لیکن اس کی مشہور نظم ''خضرِ راہ'' ایک بے مثل فن پارہ ہے جو طبقاتی شعور اور انقلاب فہمی پر ایک منظوم مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نظم سرمایہ ومحنت سے متعلق حقائق کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ محنت کی تفسیر بھی ہے اور سرمایہ کی تنقید بھی، یہ ایک دردمند شاعر کی آواز بھی ہے اور ایک انقلابی کی للکار بھی۔'' (۲۳)

اقبال سرمایہ داری کے خاتمے کے خواہاں تھے اور اشتراکت کو پسند کرتے تھے۔ وہ مغرب میں ہونے والی مثبت تبدیلیوں کی تعریف کرتے تھے مگر اس کی نمائشی چہل پہل کو ناپسند کرتے تھے:

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بنا سرمایہ داری ہے (۲۴)

اقبال نے اردو کے علاوہ فارسی کلام میں بھی اشتراکیت کی تعریف وتوصیف کی ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمد خواجہ زکریا رقم طراز ہیں:

''فارسی اشعار جو پیام مشرق کے آخر میں موجود ہیں۔ بندہ مزدور کے تلخ ایام اور سرمایہ داری نظام کے ذریعے ان کے استحصال کی بہت عمدہ تصویر کشی کرتے ہیں۔ پھر زبورعجم میں وہ ایسے انقلاب کے طالب ہوتے ہیں جس میں خواجہ ''خون رگ مزدور سے لعل ناب'' نہ بنائے! بعد ازاں جاوید نامہ، بال جبریل اور ضرب کلیم میں جہاں اشتراکیت کے بہت سے پہلوؤں کو سراہا گیا ہے وہیں اس کی خامیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ ان کی آخری کتاب ارمغانِ حجاز کی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' اشتراکیت سے متعلق اقبال کے تمام افکار کا خلاصہ ہے۔'' (۲۵)

اقبال کے نزدیک کوئی بھی انقلاب عشق کے بغیر ممکن نہیں۔ نئی باتوں کو اپنانا قوموں کے

لئے مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ پرانی روش اور طرز سے انسانوں کو پیار ہوتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ صدیوں سے چلی آتی ہیں۔ مگر جب وہ فرسودہ ہو جائیں تو ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں (۲۶)

اقبال سوشلزم کے حامی تھے مگر وہ سوشلسٹ نہیں تھے۔ اس ضمن میں توقیر سلیم خاں اقبال کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ میں لکھتے ہیں:

"1923ء میں اقبال پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ بالشویک خیالات کے حامی ہیں۔
آپ نے روزنامہ "زمیندار" لاہور کے ذریعہ اس الزام کی تردید کی۔" (۲۷)

اقبال اشتراکیت کو اسلام کے قریب تر جانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اشتراکی انقلاب اسلام کے ساتھ وابستہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ معاشی تنظیم اسلام کے منشا کے عین مطابق ہے۔ اقبال کا خیال تھا کہ یہ انقلاب ایسی معاشرت پیدا کرے گا جس میں غریبوں کی محنت سی پیدا دولت ان کی فلاح پر خرچ ہوگی۔ اور کاشت کار کی محنت سے پیدا کی ہوئی روزی اور کوئی نہیں چھین سکے گا۔ سوشلزم میں انسانیت کی قدر کی جاتی ہے۔ اور انسان کو انصاف مہیا کیا جاتا ہے۔ اس لئے بھی وہ اس نظام کو پسند کرتے تھے مگر سوشلسٹوں کی مذہب سے دوری ان کو ناپسند تھی۔

حوالہ جات:

(۱) سجاد ظہیر، سید، مارکسی فلسفہ، لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، 1988، ص 21
(۲) ایضاً ، ص 69
(۳) سبط حسن، کارل مارکس، کراچی: مکتبہ دانیال، 1985، ص 5
(۴) محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982، ص 650
(۵) مارکس، اینگلس، کمیونسٹ مینی فیسٹو، ماسکو: دارالاشاعت ترقی، 1970، ص س ن
(۶) شیر جنگ، کارل مارکس اور امن کی تعلیمات، لاہور: تخلیقات، 1990، ص 35
(۷) ثاقب رزمی، ترقی پسند نظریۂ ادب کی تشکیلِ جدید، لاہور: آئینہ ادب، 1987، ص 16
(۸) عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل، لاہور: گلوب پبلشرز، س ن، ص 138
(۹) سجاد ظہیر، سید، روشنائی، کراچی: مکتبہ دانیال، 1976، ص 263
(۱۰) مجاہد بریلوی، مرتبہ انقلاب اکتوبر کیسے کامیاب ہوا، پاکستانی ادب پبلیکیشنز، 1987، ص 90
(۱۱) پروین کلو، ڈاکٹر، اردو فکشن پر روسی ادب کے اثرات، لاہور: ریشنل پبلی کیشنز، 2011، ص 35
(۱۲) محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز 1982، ص 417

(۱۳) ایضاً ، ص418

(۱۴) ایضاً ، ص267

(۱۵) ایضاً ، ص268

(۱۶) ایضاً ، ص424

(۱۷) ایضاً ، ص263

(۱۸) ایضاً ، ص263

(۱۹) علی سردار جعفری، ترقی پسند ادب، لاہور: مکتبہ پاکستان، لاہور، 1956ء، ص152

(۲۰) محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز 1982، ص400

(۲۱) ایضاً ، ص401,402

(۲۲) ثاقب رزمی، اقبال ایک نیا مطالعہ، لاہور: آئینہ ادب، 1984ء، ص52

(۲۳) محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز 1982، ص274

(۲۴) محمد زکریا، خواجہ، ڈاکٹر، نئے پرانے خیالات، لاہور: اکیڈمی لاہور، 1970ء، ص91

(۲۵) محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز 1982، ص174

(۲۷) توقیر سلیم خان، اقبال کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ، لاہور: فینس بکس، 1991ء، ص74,75

◁▷